اسبابِ کفر و جحود

(جو قرآنِ مجید میں بیان ہوئے)

پہلا سبب۔ تقلیدِ آباؤ اکابر وغیرہ

از جناب میر ولی اللہ صاحب ایڈوکیٹ ایبٹ آباد

خداوندِ کریم کی تمام مخلوقات میں انسان خاص طور سے مکلف اور اپنے سیاہ وسفید کے لئے ذمہ وار ہے۔ اس ذمہ واری کے بنیادی وجوہ کی تلاش ہمیں خود انسان کے اندر کرنی چاہیئے، نہ کہ انسان کے باہر۔ قرآنی حقائق کی بنا پر جہاں تک میں انھیں سمجھ سکا ہوں۔ یہ بات بے خوفِ تردید کہی جاسکتی ہے کہ بنی آدم کے عقائد واعمال پر سزا وجزا کے مرتب ہونے کی اصلی وجہ چند وہ چیزیں ہیں جو خود آدمی کے اندر موجود ہیں اور جن سے وہ ہر وقت فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ بیرونی تعلیمات جن میں انبیاء علیہم السلام اور مصلحین وغیرہم کی کوششیں بھی شامل ہیں۔ انسانی ذمہ واری کے وجوہ میں دوسرے درجے پر آتی ہیں۔

علم | اللہ تعالیٰ کی بعض ایسی خاص نعمتوں میں جو انسان کے اندر ودیعت کی گئی ہیں اور جن کی وجہ سے انسان کو ممتاز اور مختص گردانا گیا ہے۔ ایک نعمت علم کی دولت ہے۔ جس کے ذریعے آدمی کو حقائقِ اشیا کے معلوم کرنے کی استعداد حاصل ہوتی ہے۔ قرآن مجید سے ثابت ہوتا ہے کہ حقیقت شناسی کی بے انتہا وسعتیں اور غیر محدود امکانات بنی نوعِ انسان کے سامنے موجود ہیں۔ اقوامِ عالم کی تاریخ اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ انسان بتدریج علم میں ترقی کرتا چلا آیا ہے اور چلا جائے گا۔ اس ترقی کے ممکنات یقیناً غیر متناہی ہیں یہ اور بات ہے کہ انسان اپنی اس استعداد سے کہاں تک فائدہ اٹھاتا رہا ہے یا آئندہ اٹھائے گا۔

بولی جائیں گی۔ اس بیان کی صحت سے بھی انکار نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ حضرت آدمؑ نے اپنی زندگی میں صرف ایک ہی زبان بولی تھی تو بھی اس حقیقت سے انکار نہیں ہو سکتا کہ آدمؑ کی فطرت اور سرشت میں اللہ تعالیٰ نے یقیناً یہ استعداد رکھدی تھی کہ آگے چل کر اس کی اولاد لغاتِ مختلفہ میں گفتگو کر سکے۔

تفسیر فتح البیان میں بھی لفظ اسمار کے معنوں کے متعلق مختلف اقوال نقل ہوئے ہیں۔ بعض علمار کا قول ہے کہ اسمار سے مراد اسمارِ ملائکہ اور اسمار ذریت آدم ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمام حیوانات اور جمادات وغیرہ پیدا کرکے آدمؑ کو دکھائے اور اسے ان کے نام بتائے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اسمار سے مراد ہر ایک شے کی صنعت ہے بعض کے نزدیک اسمار سے مراد اسمارِ الٰہیہ ہیں تفسیروں میں اس قسم کے اور کئی قول بھی درج ہیں۔

حقیقتِ حال یہ ہے کہ ایک حد تک یہ تمام قول صحیح ہیں۔ البتہ یہ غلط ہے کہ اسمار کے معنوں کو کسی ایک خاص چیز پر موقوف کر دیا جائے۔ بات یہ ہے کہ خداوند کریم نے آدمؑ کو پیدا کرکے اُسے دولتِ علم سے سرفراز فرمایا۔ کچھ علم اسے فی الحال عطا کر دیا اور باقی علوم کے حاصل کرنے کی بے انتہا استعداد اسے بخش دی۔ گویا علوم و فنون کے بیشمار معمور خزانوں کی کنجیاں اس کے حوالے کر دیں۔ تاکہ حسب ضرورت اور حسبِ سعی وہ ان سے مستفیض ہو سکے۔

کلّہا کا لفظ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کے سامنے حصولِ علم و فن کی غیر محدود اور بے نہایت وسعتیں کھول کر رکھدی ہیں۔ نوعِ انسانی آج تک اس میدان میں جتنی ترقی کر چکی ہے وہ اس قلزم امکانات کا ایک قطرہ بھی نہیں جو ابھی تک پردۂ غیب میں مستور ہے۔ تاحال تو ہم صرف بسم اللہ تک ہی پہنچے ہیں ع آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا۔

پس جب خدا نے انسان کے اندر حصولِ علم کی استعداد رکھ دی ہے تو اس کا فرض ہے کہ وہ اس استعداد سے فائدہ اٹھا کر روزانہ اپنے علم میں ترقی کرے اور پھر علم کے ذریعہ خدا کو پہچانے، یہ بات تو ظاہر ہے کہ علم خدا شناسی کا ایک بڑا ذریعہ ہے۔ بقولِ سعدیؒ

بے علم چوں شمع باید گداخت   کہ بے علم نتواں خدارا شناخت

خود قرآن مجید کے چند در چند مقامات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ علم کے ذریعے خدا شناسی۔ خدا ترسی، عقائد کی درستی اور اعمال کی اصلاح حاصل ہوتی ہے۔ پس ظاہر ہے کہ صاحبِ علم ہونے کی وجہ سے انسان اپنے اعمال و عقائد کے لئے خدا کے سامنے ذمہ وار ہے۔ خواہ اس تک کوئی بیرونی تذکیر و تعلیم پہنچے یا نہ پہنچے۔

عقل | علم کی دولت کے ساتھ ساتھ دوسری نعمت جو اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کو عطا کی وہ عقل کی دولت ہے جس کے ذریعے آدمی سوچتا سمجھتا اور نیک و بد میں تمیز کرتا ہے۔ اس داد میں بھی انسان کو ایک حد تک باقی تمام مخلوقات پر فضیلت اور امتیاز حاصل ہے۔ اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی باقی مخلوق کو بھی اس کے فرائض اور اس کی ضروریات اور حیثیت کے مطابق عقل عطا کی ہے۔ لیکن اس بات میں بھی شک کرنے کی کوئی گنجایش نہیں۔ کہ باقی تمام مخلوقات کے مقابلے میں انسان کو اس بارے میں بھی خاص فضیلت حاصل ہے۔

وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا۔ وَالْقَمَرِ
اِذَا تَلٰهَا۔ وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا۔
وَاللَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا۔ وَالسَّمَآءِ
وَمَا بَنٰهَا۔ وَالْاَرْضِ وَمَا
طَحٰهَا۔ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا۔
فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا۔
قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا۔
وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا۔

قسم ہے سورج کی اور اس کی دھوپ کی۔ اور قسم ہے چاند کی جب اس کے پیچھے آوے۔ اور قسم ہے دن کی جب ظاہر کرے اس کو۔ اور رات کی جب ڈھانک لے اس کو۔ اور آسمان کی اور اس ذات کی جس نے پیدا کیا اس کو۔ اور قسم ہے زمین کی اور جس نے بچھایا اس کو۔ اور قسم ہے جان کی اور جس نے تندرست کیا اس کو۔ پس اس کے جی میں ڈالی اس کی بدکاری اور اس کی پرہیزگاری۔ تحقیق مراد کو پہنچا جس نے پاک کیا اس کو، اور نامراد ہوا جس نے گاڑ دیا اس کو۔

ان چھوٹی چھوٹی دس آیتوں میں علم وحکمت کے عظیم الشان خزانے مدفون ہیں۔ زیادہ کاوش کے بغیر جو کچھ سطح پر نظر آرہا ہے وہ تین باتیں ہیں۔ پہلی یہ کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے صحیفۂ کائنات کی ان آیاتِ بینات کا ذکر کیا ہے جو ہر وقت ہر ایک انسان کے سامنے ہیں۔ اور جو اس کے لئے منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لئے یقینی نشانیوں کا کام دیتی ہیں۔ دوسری یہ کہ خدا نے آدمی کے اندر ایک ایسی طاقت رکھدی ہے جس کے ذریعے وہ سیاہ وسفید میں، نیک وبد میں اور سیدھے اور ٹیڑھے رستے میں تمیز کرسکتا ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ انسان کے سامنے دونوں راستے کھلے ہیں۔ صحیح راستہ بھی اور غلط راستہ بھی۔ اب یہ اس کا اپنا کام ہے کہ وہ ایک راستے پر چلے یا دوسرے پر۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں انہی چیزوں کی قسم کھاتا ہے جو اس کا عرفان حاصل کرنے کے لئے کھلی نشانیوں کا کام دیتی ہیں۔ ان قسموں کا مدعا اور منشا عموماً یہی ہوتا ہے کہ بنی آدم کو ان چیزوں کی اہمیت اور افادیت کی طرف توجہ دلائی جائے اور ان چیزوں کی طرف سے آنکھیں بند کرلینے اور غافل رہنے کی ہلاکت آفریں مضرتوں پر تنبیہ کی جائے۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ پہلے سورج کی قسم کھاتا ہے۔ گویا اپنے بندوں کو یاد دلاتا ہے کہ سورج کو دیکھو اور سوچو اور سمجھو کہ یہ کہاں سے آیا۔ اسے کس نے بنایا۔ یہ اپنے کام پر دن اور رات کس مستعدی سے مصروف ہے۔ اس کی دھوپ اور اس کی روشنی پر غور کرو کہ یہ چیزیں جمادات، نباتات اور حیوانات کی ہستی اور وجود پر اور ان کے نشوونما پر کس درجہ اثر انداز ہیں اور یہ چیزیں مخلوقات کے لئے کتنے مہتم بالشان فوائد پر مشتمل ہیں۔ اس کے بعد چاند کا ذکر ہے کہ اس کے وجود اس کے افعال اور اس کے خواص پر غور کرو۔ اس کے انضباطِ اوقات کو دیکھو اور سوچو کہ وہ حکم کا بندہ کس طرح اپنے کام میں لگا ہے کہ سینکڑوں اور ہزاروں سالوں میں کبھی ایک دفعہ بھی اپنے کام میں ایک لمحہ کے ہزارویں حصے تک بھی تقدیم وتاخیر نہیں کی۔ اسی طرح پھر دن اور رات کا ذکر کیا ہے۔ اور زمین وآسمان کا ذکر کیا ہے۔ کیونکہ یہی ایسی چیزیں ہیں جو ہمیشہ اور ہر روز اور ہر وقت آدمی کے سامنے ہوتی ہیں اور ہر لحظہ اس کے لئے درسِ عبرت کا کام دیتی ہیں۔

سب سے پیچھے انسان کو خود نفسِ انسانی کی یاد دلائی کیونکہ آدمی جہاں صحیفۂ عالم کی

مذکورہ بالا آیات سے عموماً غافل رہتا ہے وہاں خود اپنے آپ سے بھی جو ان آیات میں غالباً سب سے بڑی نشانی ہے اکثر غافل رہتا ہے۔ کہا گیا ہے کہ "من عرف نفسہ فقد عرف ربہ" یعنی جس آدمی نے اپنے آپ کو پہچان لیا اس نے اپنے پروردگار کو پہچان لیا" لیکن انسان ہے کہ اتنا اور کسی چیز سے غافل نہیں جتنا خود اپنے آپ سے غافل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں نفس انسانی کی قسم کھائی ہے گویا غافل انسان کو کہا ہے کہ دور مت جاؤ۔ آنکھیں بند کرکے خود اپنے اندر دیکھو کہ کتنی بڑی کائنات، کتنا بڑا عالم اور کتنا عظیم نظام خود تمہارے اندر موجود ہے۔ خود تمہارے نفس کی آیات کتنی روشن اور کتنی واضح ہیں۔ انہی میں تدبر کرو اور اپنے بنانے والے کی معرفت حاصل کرو۔

ان بیرونی اور اندرونی نشانیوں کے ذکر کے بعد کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آدمی کو بنایا اور اس کے جسمانی اعضا اور ذہنی قویٰ کو صحت بخشی۔ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ علم التشریح کے ذریعے معلوم ہو سکتا ہے کہ خداوند کریم نے آدمی کو جسمانی لحاظ سے اعضا کی کتنی مکمل تعدیل و تسویت عطا کی ہے اور علم النفس سے یہ معلوم کیا جا سکتا ہے کہ ذہنی لحاظ سے انسانی قویٰ کی تسویت کس درجہ بے مثال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ظاہری اور باطنی حواس کی بہت سی قوتیں مثلاً قوت سامعہ اور قوتِ باصرہ اور قوتِ متخیلہ اور مفکرہ اور مذکرہ وغیرہ وغیرہ عطا کیں۔ جن کے ذریعے آدمی اپنے علم کو ترقی دے سکتا ہے۔

اس کے بعد کہا کہ آدمی کو اعضا و قویٰ کی تسویت عطا کرنے کے بعد خداوند کریم نے آدمی کے دل میں بذریعہ الہام نیک و بد میں تمیز کرنے کی قوت القا کی۔ یہی قوت افہام و اعقال کی قوت ہے۔ یعنی عقل و فہم کی وہ طاقت جس کے ذریعے آدمی فجور و تقویٰ میں۔ نیک و بد میں۔ سیاہ و سفید میں اور گناہ و صواب میں تمیز کر سکتا ہے۔

پس عقل و فہم کی یہ قوت جو خدا نے انسان کے دل میں ڈالی ہے۔ دوسری اندرونی وجہ ہے آدمی کی ذمہ واری کی۔ ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا گیا۔ کہ اب انسان چاہے تو اپنے نفس کا تزکیہ کرلے اور بامراد ہو۔ اور چاہے تو نفس کو گناہوں کی تاریکیوں میں گاڑ دے اور نامراد ہو۔

اختیار | انسانی ذمہ واری کی تیسری اندرونی بنا اس کا با اختیار ہونا ہے۔ یعنی اس کی طاقت میں ہے کہ وہ ایک راستہ اختیار کرے یا دوسرا۔ اس باب میں بھی انسان کو باقی مخلوق پر یک گونہ فضیلت حاصل ہے۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَۃَ عَلَی السَّمٰوٰتِ	تحقیق ہم نے پیش کیا امانت کو آسمانوں کے
وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ	سامنے اور زمین کے سامنے اور پہاڑوں کے
یَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَ	سامنے۔ پس انکار کیا سب نے اس کے اٹھانے
حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ۔ اِنَّهٗ كَانَ	سے۔ اور ڈر گئے اس سے اور اٹھالیا اس کو
ظَلُوْمًا جَهُوْلًا۔	انسان نے۔ تحقیق وہ بے باک تھا اور نادان۔

یہ امانت جس کے اٹھانے سے زمین نے، آسمانوں نے اور پہاڑوں نے غرضکہ تمام مخلوقات نے انکار کردیا اور بے باک نادان انسان نے اٹھا لیا۔ کیا چیز ہے؟ اس کے متعلق مختلف رائیں ہیں۔ لیکن کثرتِ رائے اسی کے حق میں ہے کہ یہ امانت "اپنے عقائد و اعمال میں مختار ہونا ہے" جو اس کے مکلف ہونے کی سب سے بڑی وجہ ہے۔ یہی وجہ تکلیف ہے جس سے باقی تمام مخلوقات ڈر گئی۔ لیکن آدمی نے اُسے قبول کرلیا۔ بظاہر تمام جانداروں میں تھوڑا بہت اختیار پایا جاتا ہے۔ اسی طرح کچھ نہ کچھ علم اور عقل بھی سب جانداروں میں موجود ہے۔ لیکن علم اور عقل کی طرح اختیار کے بارے میں بھی انسان کی حیثیت باقی تمام چیزوں سے ممتاز ہے۔

لاریب تمام حیوان ایک حد تک علم عقل اور اختیار رکھتے ہیں۔ لیکن ان میں یہ چیزیں اتنے تنگ دائرے میں محدود ہیں کہ وہ وجہ تکلیف نہیں بن سکتیں۔ حیوانات میں یہ چیزیں صرف اتنی ہی مقدار میں پائی جاتی ہیں جتنی ان کے مقررہ اور روزمرہ کے اعمال و وظائف کی تعمیل و تکمیل کے لئے ضروری ہیں۔ برخلاف اس کے آدمی کے علم و عقل و اختیار کے امکانات غیر محدود و لاتناہی ہیں۔ موالیدِ ثلاثہ کے باقی دو فرد یعنی نباتات اور جمادات یا تو جیسا کہ عام طور سے سمجھا جاتا ہے قطعاً اور کلی طور سے علم و عقل و اختیار کی نعمتوں سے محروم ہیں، یا اُن میں اِن چیزوں کا کوئی وجود ہے تو قریب

قریب صفر کے برابر یعنی نہایت ہی تھوڑا جو نہ معلوم ہو سکے نہ محسوس نہ متصور۔ ان چیزوں کے درمیان اور ان کے خالق کے درمیان اگر کوئی نامہ و پیام سوال و جواب اور ایجاب و قبول ہوتا ہے تو وہ ہماری چشمِ بصارت و بصیرت سے تاحال پوشیدہ ہے۔

سورج دن رات اپنے کام میں مصروف ہے۔ چاند ستارے اور سیارے ہر وقت اپنے اپنے وظائف میں کوشاں و سرگرداں ہیں۔ زمین اپنی گردش میں پڑی ہوئی ہے۔ ہوا اور پانی اپنے اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ پہاڑوں میں دن رات سونا بن رہا ہے، چاندی بن رہی ہے، لعل، زمرد، یاقوت اور ہیرے بن رہے ہیں لیکن یہ سب کچھ اسی طرح ہو رہا ہے جس طرح خدا کے حکم سے ان کے لئے مقرر کیا گیا۔ انسان حکم عدولی کر سکتا ہے، یہ چیزیں نہیں کر سکتیں۔ انسان اپنے فرض کی ادائیگی میں غفلت کر سکتا ہے یہ چیزیں نہیں کر سکتیں۔ انسان کے سامنے کئی راستے کھلے ہوئے ہیں جس راستے پر چاہے چل سکتا ہے۔ ان چیزوں کے سامنے صرف ایک ہی راستہ ہے۔ باقی تمام راہیں ان کے لئے مسدود ہیں۔ انسان اپنے اعمال و افعال میں عجلت اور تاتی۔ تقدیم اور تاخیر کر سکتا ہے۔ لیکن یہ چیزیں ایسا نہیں کر سکتیں۔ ان چیزوں کی فطرت۔ جبلت اور سرشت ہی ایسی ہے کہ وہ اپنے اپنے فرائض کی تعمیل میں مجبورِ مطلق ہیں۔ برخلاف اس کے انسان اپنے کاموں میں مختار ہے اور ایک معقول حد تک مختارِ کامل۔

فرشتوں کو ہی لیجئے جو بعض لحاظ سے انسان پر فضیلت رکھتے ہیں۔ لیکن فرشتے بھی اپنے وظائف اور فرائض کی تعمیل میں مجبور ہیں۔ وہ ہر وقت خدا کی حمد میں اور تسبیح و تقدیس میں مصروف ہیں۔ جو کام اُن کے سپرد کئے جاتے ہیں۔ ان کی تعمیل کرتے ہیں لیکن وہ اپنے کام میں نہ سستی کر سکتے نہ غفلت۔ نہ وہ خدا کے کسی حکم کو ٹال سکتے ہیں نہ کسی حکم کے برخلاف کچھ کر سکتے ہیں ان کی مجبوری بھی قریب قریب اتنی ہی ہے جتنی غیر ذی روح چیزوں کی۔

لیکن یہی اختیار ہے جو انسان کے مکلف ہونے کی سب سے بڑی بنا ہے۔ یہی اختیار ہے جو اس کے سامنے پیش کیا گیا اور اس نے اسے قبول کر لینے کی جرأت کی۔ یہی اختیار وہ بارِ امانت ہے جس کے

اٹھانے سے باقی تمام مخلوق ڈرگئی لیکن انسان نے اٹھالیا ؎

آسماں بارِ امانت نتوانست کشید
قرعۂ فال بنامِ منِ دیوانہ زدند (حافظ)

فی الواقعہ انسان نے بڑی جرأت کی۔ اسی جرأت کی وجہ سے اس نے ظلوم وجہول کا لقب پایا۔ اور اسی جرأت کی وجہ سے وہ اشرف المخلوقات کہلایا۔ انسان کا یوں ظالم وجاہل کہلانا فی الواقعہ مقامِ مدح میں ہے، مقامِ ذم میں نہیں۔ آپ کا نوکر یا غلام یا بیٹا یا کوئی جانی دوست آپ کے کسی حکم کی تعمیل میں یا آپ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اگر اپنی جان کو کسی خطرے میں ڈال کر کوئی عظیم الشان کام کر گزرے تو آپ بھی اسے کہیں گے کہ اے ظالم اے جاہل تو نے یہ کیا کیا۔ لیکن حق یہ ہے کہ اس ظلم پر ہزاروں انصاف اور اس جہل پر لاکھوں علم قربان کئے جاسکتے ہیں۔

یہی تین اندرونی چیزیں یعنی علم۔ عقل اور اختیار۔ بنی آدم کی ذمہ واری کے بنیادی وجوہ ہیں۔ چنانچہ علم جتنا کم ہوتا جائے گا ذمہ داری بھی اتنی ہی کم ہوتی جائے گی۔ اور مطلق جاہل آدمی کی ذمہ واری قریب قریب جانوروں کی ذمہ واری کے برابر رہ جائے گی۔ اسی طرح عقل کی کمی سے ذمہ واری کم ہوجاتی ہے۔ اگر کوئی آدمی عقل سے مطلق بے بہرہ ہو یا کسی عارضے کی وجہ سے عقل سے محروم ہوجائے تو وہ قطعی طور سے مرفوع القلم ہوجاتا ہے۔

یہی حال اختیار کا ہے۔ جتنا اختیار زیادہ اتنی ہی ذمہ واری زیادہ۔ جتنا اختیار کم اتنی ہی ذمہ داری کم۔ اور اضطرار کی حالت میں اگر آدمی کا اختیار بالکل سلب ہوجائے تو مجبورِ مطلق آدمی اپنے کسی قول یا فعل کے لئے جوابدہ نہیں رہتا۔

پس جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو علم عطا کیا ہے۔ جس کے ذریعے وہ حقایقِ اشیاء کی معرفت حاصل کرسکتا ہے۔ ساتھ ہی اُسے عقل کی دولت بخشی ہے جس سے وہ فجور و تقویٰ میں، نیک و بد میں، گناہ و ثواب میں اور شرک و توحید میں تمیز کرسکتا ہے۔ اور اس پر اُسے اختیار بھی دیا ہے کہ جو راہ وہ چاہے اس پر گامزن ہو اور جب ان اندرونی روشنیوں کے علاوہ اس کے پاس بیرونی

تعلیمات بھی پہنچتی رہی ہیں۔ انبیاء علیہم السلام آتے، آسمانی کتابیں آئیں، وقتاً فوقتاً مصلحین اور مجددین آتے رہے، ہر زمانے میں ہر قوم میں اور ہر ملک میں استاد و پیر، مرشد اور ناصح، شمعِ ہدایت کا کام کرتے رہے۔ پھر وہ کون سے اسباب ہیں جن کی وجہ سے انسان سیدھے راستے کو چھوڑ کر غلط راستے پر چلتا ہے، اسلام کو چھوڑ کر کفر اختیار کرتا ہے، توحید کو چھوڑ کر شرک کرتا ہے، نیک کاموں کو چھوڑ کر بُرے کاموں کا ارتکاب کرتا ہے اور بعض دفعہ خدا کی ہستی سے بھی انکار کر دیتا ہے۔

اس سوال کا جواب قرآن مجید نے دیا ہے۔ ایک جامع اور مانع جواب، ایک نہایت ہی حکیمانہ جواب۔ چنانچہ کفر و جحود کے اسباب جو کلام اللہ میں بیان ہوئے یہ ہیں:-

(۱) تقلیدِ آباؤ اکابر وغیرہ

(۲) اعراض

(۳) استکبار و استہزاء

اس مضمون میں صرف سبب اول یعنی تقلید کا ذکر مقصود ہے۔ اس سلسلے میں پہلے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشادِ گرامی سنئے:-

وعن ابی ھریرۃ قال قال	ابوہریرہؓ سے روایت ہے۔ انھوں نے کہا کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی
مامن مولود الا یولد علی الفطرۃ	ایسا بچہ نہیں جو فطرت پر پیدا نہ کیا جائے پس
فابواہ یھودانہ وینصرانہ	اس کے ماں باپ اُسے یہودی بنا دیتے ہیں
اویمجسانہ کما تنتج البھیمۃ	یا نصرانی یا مجوسی۔ جیسا کہ چارپایہ سالم
بھیمۃ جمعاء ھل تحسون فیھا	چارپایہ بچہ دیتا ہے۔ کیا تم اس میں کچھ نقصان
من جدعاء ثم یقول فطرۃ	معلوم کرتے ہو۔ پھر آپ نے پڑھی یہ آیت کہ
اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْھَا	لازم پکڑو خدا کی پیدائش کو جس پر اس نے
لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰہِ ذٰلِکَ	لوگوں کو پیدا کیا۔ خدا کی پیدائش کو بدلنا (جائز)

الدِّیْنُ الْقَیِّمُ۔ (متفق علیہ) نہیں۔ یہی ہے صحیح مذہب۔

اس حدیث شریف سے چند در چند باتیں نکلتی ہیں۔

(۱) ہر ایک بچہ جو کسی قوم میں کسی ملک میں یا کسی مذہب کے پیرو خاندان میں پیدا ہوتا ہے۔ وہ دینِ فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ یعنی صحیح مومن اور صحیح مسلم پیدا ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہر ایک بچہ علم اور عقل اور اختیار کی اس استعداد کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ نے اس کی سرشت میں رکھدی ہے ایسی حالت اور ہیئت میں پیدا ہوتا ہے جو اسے صحیح راستے پر چلنے کے لئے تیار کرتی ہے اور جو اُسے خالق کی معرفت حاصل کرنے پر، حق کو قبول کرنے پر، دینِ اسلام اختیار کرنے پر اور نیک و بد میں تمیز کرنے پر آمادہ کرتی ہے۔ بشرطیکہ بیرونی عوارض اور موانع اس کو نظرِ صحیح اور فکر درست سے روک نہ دیں۔

(۲) اس اندرونی استعداد کی نشو و نما کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ تقلیدِ آبا رہے چنانچہ فرمایا کہ پھر اس بچے کے ماں باپ اس کو غلط راستے پر ڈال کر اسے یہودی بنا دیتے ہیں، یا نصرانی یا مجوسی۔ گو اس تقلید میں جہاں ایک طرف بچے کی متابعت اور مطاوعت کارفرما ہوتی ہے وہاں دوسری طرف سے والدین کا جبر و قہر بھی شامل ہوتا ہے۔ تاہم آدمی اپنی فطری ذمہ واریوں سے کسی صورت میں سبکدوش نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اس کی اندرونی استعداد یں ہر وقت اور ہر حالت میں اسے صحیح راستے پر چلنے میں شمع راہ کا کام دیتی رہتی ہیں، یہ شمع کبھی بجھتی نہیں۔

(۳) آگے چل کر اس باطنی حقیقت کی توضیح ایک ظاہری مثال سے کی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ جانور کا بچہ صحیح سالم پیدا ہوتا ہے۔ اس میں کچھ نقص نہیں ہوتا۔ اس کے کان، ناک، سینگھ، ہونٹ، ٹانگیں اور دُم، غرضیکہ سب اعضاء سالم ہوتے ہیں مگر بعد میں کسی کا کان کاٹ دیا جاتا ہے، اور کسی کی دُم۔ اگر اس طرح کی کوئی خارجی آفت اس کے حال کی معترض نہ ہوتی تو وہ ہمیشہ سالم رہتا۔

(۴) اصل دینِ قیم وہی ہے جو آدمی کی سرشت میں رکھدیا گیا ہے۔ پس آدمی کی فطرت میں

لے مشکوۃ باب الایمان بالقدر۔ فصل اول۔

رکھی ہوئی ان استعدادوں میں تبدیلی پیدا کرنے کی تمام کوششیں غیر مستحسن ہوتی ہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ فطرتِ انسانی کے قوانین کے مطابق ان استعدادوں کے نشوونما پانے میں ان کی امداد کی جائے۔

قرآنِ کریم میں جا بجا اس حقیقت کو واضح کیا گیا ہے کہ آباؤ اکابر کی کورانہ تقلید نوعِ انسانی کے لئے نسلاً بعد نسلٍ گمراہی کا موجب بنتی رہی ہے۔ آفرینشِ آدم سے کر آج تک کی تاریخِ عالم اس بات کی گواہی دے رہی ہے کہ ہر قوم اور ہر ملک میں انسان کی علمی، روحانی، مذہبی اخلاقی اور مادی ترقی کی راہ میں یہی ذہنی غلامی جسے تقلید کہتے ہیں۔ سب سے بڑی رکاوٹ ثابت ہو رہی ہے۔

(باقی آئندہ)

ترجمان القرآن

جلد دوم

یہ مولانا ابوالکلام آزاد کی عدیم المثال تفسیر قرآن ہے جسے عہدِ حاضر کی سب سے بہتر تفسیر کہا جا سکتا ہے۔ یہ جلد اپنی نوعیت کے لحاظ سے پہلی جلد سے بھی زیادہ اہم اور مہتم بالشان ہے۔ اس کے حواشی نہایت مفصل، دلپذیر و دلکش اور بہت سے اہم اجتماعی اور اقتصادی مسائل پر مشتمل ہیں، سورہ انفال توبہ، یوسف، کہف، مریم وغیرہ کی تفسیر اسی حصہ میں ہے اس لئے کتاب علمی اور تاریخی خصوصیات کے اعتبار سے بھی بے مثل ہو گئی ہے۔ مولانا ابوالکلام ایسے باکمال عالم کی ۳۰ سال کی عرق ریزیوں کا نتیجہ ہے۔ سورہ اعراف سے سورہ مومنون تک۔ ہدیہ بلا جلد آٹھ روپے آٹھ آنے مجلد خوش نما ۹/۸

منیجر مکتبہ برہان دہلی قرول باغ